پیشکش: پیامِ قرآن

ورقہ بن نوفل

واقعات اور روایات کا ایک جائزہ

دوسرا ایڈیشن

تحریر و تحقیق: محمد امین اکبر

www.facebook.com/payamequran

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے اور اپنا پیغام اس دنیا میں پہچانے کے لیے اس دنیا میں بہت سے انبیاء کرام بھیجے۔ اس میں سے کچھ کے نام ہم جانتے ہیں اور کچھ کے نام ہمیں معلوم نہیں۔ قرآن پاک میں غالباً 26 انبیاء کرام کا نام آیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ انبیاء کو ہر بستی اور ہر امت میں بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنا نبی یا رسول چنتا ہے وہ معاشرے کے انتہائی نیک اور پاک باز لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر اپنا پیغام وحی کی صورت میں نازل فرماتا ہے۔ یہ وحی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ فرشتے کے ذریعے بھی ہوتی ہے۔ پردے کے پیچھے سے آواز بھی آسکتی ہے اور جی (دل) میں بھی بات ڈال دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ [۴۲:۵۱]

اور کسی انسان کا حق نہیں کہ اس سے اللہ کلام کرلے مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اس کے حکم سے القا کرلے جو چاہے بے شک وہ بڑا عالیشان حکمت والا ہے۔

اب ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی انسان رات کو سوئے تو عام انسان ہو اور صبح اٹھے تو نبی بن گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بذریعہ وحی نبوت سے سرفراز فرمایا اور اپنا کلام بتدریج ان پر نازل کیا۔ ایسا ہی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ہوا۔ آپ پر بھی اللہ تعالیٰ کا کلام بتدریج 23 سال میں نازل ہوا۔

نبی کریم ﷺ پر وحی کی شروعات کے حوالے سے ہمارے سامنے محدثین غار حرا کا واقعہ پیش کرتے ہیں جہاں نبی کریم ﷺ کو نبی معبوث فرمایا گیا۔ اس واقعے میں ورقہ بن نوفل کا نام بھی آتا ہے۔ پچھلے کچھ دنوں سے متواتر کچھ لوگوں کی طرف سے ورقہ بن نوفل کے وجود پر ہی اعتراضات دیکھ رہا ہوں کہ ورقہ بن نوفل ایک فرضی کردار ہے جو یہودیوں کی تخلیق ہے۔ اس حوالے سے میں نے سوچا کہ ان روایات کا جائزہ لوں جو ورقہ بن نوفل اور پہلی وحی کے حوالے سے پیش کی گئی ہے اور اپنی ناقص معلومات اور موقف ایک جائزے کی صورت قارئین کے سامنے پیش کروں۔ میرا موقف سو فیصد غلط بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال کوشش کی ہے کہ اپنے خیالات دوستوں

کے سامنے رکھ دوں ہو سکتا ہے اس سے میری یا دوسرے دوستوں کی مزید رہنمائی ہو۔ ایک بات دھیان میں رہے اس تحریر کا مقصد کسی پر تنقید کرنا ہرگز نہیں ہے۔

ورقہ بن نوفل سے متعلق روایات

صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 3 حدیث مرفوع مکررات 24 متفق علیہ 22 بدون مکرر

یحیی بن بکیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، عروہ بن زبیر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے اور اس کے لئے توشہ ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو، تو لوگوں نے کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توصلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالعزی کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا، نابینا اور بوڑھے ہوگئے تھے، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے کہا اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، بیان کر دیا، ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، کاش میں نوجوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا، ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہوگیا، اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لئے بند ہوگیا، ابن شہاب نے کہا کہ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے بیان کیا کہ جابر بن عبداللہ انصاری وحی کے رکنے کی حدیث بیان کر رہے تھے، تو اس حدیث میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ ایک بار میں جارہا تھا تو آسمان سے ایک آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہوگیا اور واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھادو مجھے کمبل اڑھادو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ () قُمْ فَأَنذِرْ () وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ () وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے، پھر وحی کا سلسلہ گرم ہوگیا اور لگاتار آنے لگی، عبداللہ بن یوسف اور ابوصالح نے اس کے متابع حدیث بیان کی ہے اور ہلال بن رواد نے زہری سے متابعت کی ہے، یونس اور معمر نے فوادہ کی جگہ بوادرہ بیان کیا۔

صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 481 حدیث مرفوع مکررات 24 متفق علیہ 22 بدون مکرر

عبداللہ بن یوسف لیث عقیل ابن شہاب ابوسلمہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس کے بعد وحی منقطع ہوگئی پس (ایک دن) میں جارہا تھا کہ میں نے ایک آسمانی آواز سنی تو میں

نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں اس سے ڈر گیا حتیٰ کہ زمین پر گرنے لگا پھر میں گھر والوں کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اے چادر اوڑھنے والے اٹھیے اور (کافروں کو عذاب سے) ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاک کیجئے اور بتوں کو چھوڑیئے ابو سلمہ نے کہا کہ رجز کے معنی ہیں بت۔

صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 628 حدیث مرفوع مکررات 24 متفق علیہ 22 بدون مکرر
عبداللہ بن یوسف لیث عقیل ابن شہاب عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دھڑکتے دل سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس آئے وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور ورقہ نصرانی ہو گئے تھے انجیل کو عربی میں پڑھا کرتے تھے تو ورقہ نے پوچھا آپ نے کیا دیکھا؟ آنحضرت نے انہیں سب بتا دیا تو ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (یعنی فرشتہ) ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر نازل فرمایا تھا اور اگر مجھے تمہارا زمانہ ملے گا تو میں تمہاری زبردست مدد کروں گا الناموس یعنی وہ رازدار جسے آدمی اپنے ایسے راز بتا دے جنہیں وہ ہر ایک پر ظاہر نہیں کرتا۔

صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2064 حدیث مرفوع مکررات 24 متفق علیہ 22 بدون مکرر
یحیی، وکیع، علی ابن مبارک، یحیی بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کی کون سی آیت نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا (يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَأَنْذِرْ) 74۔ المدثر: 1۔2) نازل ہوئی میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ) سب سے پہلے نازل ہوئی تو ابو سلمہ نے کہا میں نے جابر بن عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھا اور میں نے وہی کہا جو تم نے کہا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تم سے وہی بیان کرتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا آپ نے فرمایا کہ میں حرا میں گوشہ نشین تھا جب میں نے گوشہ نشینی کی مدت کو پورا کر لیا تو میں وہاں سے اترا تو میں پکارا گیا ایک آواز سنی میں نے اپنی دائیں طرف دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے اپنے بائیں طرف دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھایا تو ایک چیز دیکھی پھر میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو میں نے کہا مجھ کو کمبل اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہاؤ آپ

نے بیان کیا کہ لوگوں نے مجھے کمبل اڑھائے اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہایا پھر آیت (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنذِرْ ﴿٢﴾) (74۔ المدثر: 1۔2) نازل ہوئی (آیت) تم کھڑے ہو اور ڈراؤ۔

روایات میں بیان کردہ مکمل واقعہ

ان تمام احادیث سے جو واقعہ بنتا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

جو وحی سب سے پہلے وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے اور اس کے لئے توشہ ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس دھڑکتے دل سے آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو، تو لوگوں نے کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں

کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توصلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالعزی کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، دوسری روایت کے مطابق انجیل کو عربی میں پڑھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا، نابینا اور بوڑھے ہوگئے تھے، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے میرے چچا زاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، بیان کر دیا، ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے **(اس ناموس کو فرشتے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ الناموس یعنی وہ راز دار جسے آدمی اپنے ایسے راز بتا دے جنہیں وہ ہر ایک پر ظاہر نہیں کرتا)**، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، کاش میں نوجوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا، ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا، اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار میں جا رہا تھا تو آسمان سے ایک آواز سنی، تو میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہو گیا حتیٰ کہ زمین پر گرنے لگا۔ پھر گھر واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو اور ٹھنڈا پانی بہاؤ، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی، (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ()قُمْ فَأَنذِرْ()وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ()وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) ترجمہ: اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے،

اسکے علاوہ بتوں کو چھوڑنے کا بھی کہا پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا اور لگاتار آنے لگی۔

واقعات پر تبصرہ

"جو وحی سب سے پہلے وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا"

قرآن کریم سے ہی ثابت ہے کہ نبی کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ غالباً جس وقت نبی ﷺ کو یہ سچے خواب آتے ہونگے اس وقت تو وہ اسے بطور وحی نہیں پہچانتے ہونگے۔ یہ تو بعد کے زمانے کی یادداشت ہے کہ وہ خواب جو سچے ہو جاتے تھے وہ بھی وحی تھے۔ نبوت ملنے کے بعد انبیاء علیہ السلام کو اپنے خوابوں کی سچائی کا یقین ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال لیجیے۔ بمطابق قرآن:

" فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ" (سورۃ الصفات 37 آیت 102)

"ترجمہ: پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے پھرنے لگا کہا اے بیٹے! **بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں** کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے ہے کہا اے ابا! **جو حکم آپ کو ہوا ہے** کر دیجئے آپ مجھے انشااللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے "

حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب میں خود کو بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ان کو پتا بھی ہے کہ میں نبی ہوں اور میرا خواب سچا ہے۔ اس کی تعمیل میں بیٹے سے بات کی تو بیٹا بھی جانتا تھا کہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ وہ بھی یہی بولا کہ جو حکم ہوا ہے وہ کیجیے۔

" فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ " (سورۃ الصفات 37 آیت 103)

"ترجمہ: پس جب دونوں نے قبول کر لیا اور اس نے پیشانی کے بل ڈال دیا"

دونوں باپ بیٹا نے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔

"قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ"(سورۃ الصفات 37 آیت 105)

"ترجمہ: تو نے خواب سچا کر دکھایا بے شک ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں"

خواب کے سچا کر دکھانے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی انعام کا ذکر بھی ہے۔ مطلب حضرت ابراہیم نے خواب کو سچا صحیح سمجھا تھا۔ ان آیات سے واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ اس روایت میں جو سچے خوابوں کی بات کی جا رہی ہے وہ بالکل درست ہو سکتی ہے۔

اسکے بعد واقعہ کچھ یوں ہے کہ:

" پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے اور اس کے لئے توشہ ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے "

یہاں کچھ معترضین یہ کہتے ہیں کہ اکیلے غار میں جا کر عبادت کرنا رہبانیت ہے اور قرآن میں رہبانیت سے منع کیا گیا ہے۔ مگر اس روایت سے رہبانیت کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ اپنے گھر بھی آتے تھے، بیوی سے بھی ملتے تھے دیگر کام کاج بھی کرتے تھے۔ تجارت بھی کیا کرتے تھے مگر کچھ دنوں کے لیے پھر توشہ لے کر عبادت یا غور و فکر کرنے غار حرا میں تشریف لے جاتے۔
اس پر مزید بات کرنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسا کیا نبی کریم ﷺ نے ہی کیا کہ اکیلے تنہائی میں عبادت یا غور و فکر کرنا یا اس سے پہلے بھی کوئی نبی ایسا ہوا ہے جو نبوت ملنے سے پہلے ایسے تنہائی میں غور و فکر کرتا ہو۔ اس حوالے سے قرآن کریم ہی ہمیں بہت سی

تفصیل فراہم کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، جن کی دعا کا نتیجہ ہی نبی کریم ﷺ تھے بھی ایسے ہی تنہائی میں غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے نبوت سے پہلے کے حالات بھی ملتے جلتے ہیں۔

"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ "[۶:۷۴]

(ترجمہ: ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں")

"وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ " [۶:۷۵]

(ترجمہ: ابراہیمؑ کو ہم اِسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے)

"فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ" [۶:۷۶]

(ترجمہ: چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اُس نے ایک تارا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں)

"فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ "[۶:۷۷]

(ترجمہ: پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا)

"فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ "[۶:۷۸]

(ترجمہ: پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ پکار اٹھا "اے برادران قوم! میں اُن سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو)

"إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ "[٦:٧٩]

(ترجمہ: میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہر گز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں")

"وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۚ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ "[٦:٨٠]

(ترجمہ: اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا" کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہ راست دکھا دی ہے اور میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے ؟)

ان آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت سے پہلے بت پرستی سے نفرت تھی جیسے نبی کریم ﷺ کو تھی۔ حضرت ابراہیم کو بھی ہجرت کرنا پڑی اور نبی کریم ﷺ کو بھی۔ حضرت ابراہیم بھی پہلے تنہائی میں غور و فکر کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک دن اور رات کی داستان تو قرآن کی مندرجہ بالا آیات میں بھی ہے۔ مگر جو سورۃ انعام کی آیت 75 میں کہا گیا ہے" ابراہیمؑ کو ہم اِسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ستارے، چاند اور سورج پر غور کرنے سے پہلے حضرت ابراہیم نے اور بہت سے مظاہر قدرت کے الٰہ ہونے کے بارے میں غور کیا ہو گا۔ خیر یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ نبی ﷺ کے نبوت کے بعد کے خواب بھی سچے ہوئے

لَّقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا (سورۃ الفتح 48 آیت 27)

(ترجمہ: بے شک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے بے خوف و خطر ہوں گے پس جس بات کو تم نہ جانتے تھے اس نے اسے جان لیا تھا پھر اس نے اس سے پہلے ہی ایک فتح بہت جلدی کر دی)
یہاں پر خواب سے مراد نیند کا خواب بھی ہو سکتی ہے اور خواہش بھی۔

ان آیات سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ انبیاء کا نبوت سے پہلے تنہائی میں غور و فکر کرنا کوئی نئی بات نہیں اس لیے اس پر رہبانیت کا الزام غلط ہے۔روایات کا یہ حصہ بالکل درست ہو سکتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس روایت سے ہٹ کر چند اور چیزیں بیان کرنا چاہوں گا جس سے اس روایت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔
انسان اپنی جسامت میں کمزور واقع ہوا ہے مگر اپنی عقل سے اس دنیا پر راج کر رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ شروع دور سے ہی انسان جن چیزوں پر قابو نہ پا سکا یا جو اس کی عقل میں نہ سما سکی، جس سے اسے فائدہ پہنچے یا نقصان کا اندیشہ ہو ان چیزوں کی عبادت شروع کر دی۔ انسان کے سامنے ذرا سی کوئی بات ایسی واقع ہو جائے جو اس کی عقل کو عاجز کر دے تو وہ اس سے ڈر بھی جاتا مگر جب اس کا عادی ہو جائے تو اس کا ڈر ختم ہو جاتا ہے۔انسانوں کی طرف معبوث کیے گئے تمام انبیاء کرام انسان تھے اس لیے انسانی فطرت کے اس پہلو سے انبیاء علیہ السلام بھی ماورا نہیں۔

بہت سی چیزیں جو انبیاء علیہ السلام کے ساتھ پہلی دفعہ ہوئی جنھوں نے ان کی عقل کو عاجز کر دیا ان کو مافوق الفطرت لگی ان سے وہ ڈر گئے مگر جب وحی الہٰی کی طرف سے ان پر یہ چیزیں آشکارا کر دی گئی تو ان کا ڈر ختم ہو گیا۔
اس قسم کی چند مثالیں لکھتا ہوں

بائبل میں ہے کہ جب حضرت ایوب نے فرشتے کو دیکھا تو ان کے کیا تاثرات تھے:

"ایوب: باب4: 15۔تب ایک روح میرے سامنے سے گذری اور **میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے**۔16۔ وہ چپ چاپ کھڑی ہو گئی پر میں اُس کی شکل نہ پہچان سکا"
حضرت ایوب علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پہلی دفعہ مافوق الفطرت چیز یعنی لاٹھی کا سانپ بنتا دیکھا تو ان کا رد عمل کیا تھا۔ آیئے قرآن دیکھتے ہیں۔

وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ (سورۃ النمل 27 آیت 10)
(ترجمہ: اور اپنی لاٹھی ڈال دے پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح چل رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ ڈرو مت کیونکہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے)
دوسری آیت میں بھی یہی واقعہ ہے کہ:

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ (سورۃ القصص 28 آیت 31)
(ترجمہ: اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دے پھر جب اسے دیکھا کہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے **تو منہ پھیر کر الٹا بھاگا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا** اے موسیٰ! سامنے آ اور ڈر نہیں بے شک تو امن والوں سے ہے)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جب لاٹھی کو سانپ بنتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اگر اللہ تعالیٰ آواز نہ دیتے تو شاید اپنے گھر والوں کے پاس ہی جا کر رکتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی آواز سے شاید اس لیے نہ ڈرے ہو کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کا لہجہ بہت مہربان تھا دوسرا وہاں انہیں کوئی ایسا نظر بھی نہیں آ رہا تھا جس سے ڈرا جا سکے صرف مہربان آواز تھی۔ تیسرا وہ جگہ روشن (آگ سے یا نور سے جس سے جھاڑی جلتی نہ تھی) تھی۔ مگر جیسے ہی لاٹھی کو سانپ بنتے دیکھا تو ڈر گئے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے جب سمجھا دیا کہ یہ تو نبوت کی نشانی ہے تو وہ اس اپنی لاٹھی سے کبھی نہ ڈرے بلکہ اسے خود سانپ بناتے رہے۔ بلکہ ڈر ختم ہونے کے بعد تو اپنی زبان کی کمزوری بتا کر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی بطور نبی معبوث کرنے کی درخواست کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول کی جس کا ذکر سورۃ طٰہٰ 20 کی آیات 25 تا 36 میں ہے ۔اس کے بعد حضرت موسیٰ نے جب جادوگروں کی رسیوں کو سانپ بنتے دیکھا تو انہیں پھر ڈر محسوس ہوا:

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ (سورۃ طٰہٰ 20 آیت 68)

(ترجمہ: پھر موسیٰ نے اپنے دل میں **ڈر محسوس کیا**)

مگر پھر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی تو ڈر ختم ہو گیا:

قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ (سورۃ طٰہٰ 20 آیت 69)

(ترجمہ: ہم نے کہا ڈرو مت بیشک تو ہی غالب ہو گا)

ایک اور دفعہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اُن کا کیا حال ہوا۔

"اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) دیکھوں۔ پروردگار نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ جب ان کا پروردگار پہاڑ پر نمودار ہوا تو (تجلی انوارِ ربانی) نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور

<u>موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے</u>۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں" (سورۃ اعراف 7 آیت 143)

اسی طرح جب حضرت ابراہیم کے گھر فرشتے انسانی شکل وصورت میں گئے تو ان کی ایک حرکت کہ وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے تھے حضرت ابراہیم کو بھی ان سے ڈر محسوس ہوا۔

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (سورۃ 51 آیت 28)

(ترجمہ: پھر ان سے **<u>خوف محسوس کیا</u>** انہوں نے کہا تم ڈرو نہیں اور انہوں نے اسے ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دی)

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ (سورۃ الحجر 15 آیت 52)

(ترجمہ: جب اس کے گھر میں داخل ہوئے اور کہا سلام اس نے کہا بے شک ہمیں تم سے **<u>ڈر معلوم ہوتا ہے</u>**)

اس پر فرشتوں کا جواب تھا:

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (سورۃ الحجر 15 آیت 53)

(ترجمہ: کہا **<u>ڈرو مت</u>** بے شک ہم تمہیں ایک دن لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں)

مگر جب ڈر ختم ہوا تو فرشتوں سے ہی بحث کرنے لگے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ (سورۃ ہود 11 آیت 74)

(ترجمہ: جب ابراہیم کا **<u>ڈر خوف جاتا رہا</u>** اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں **<u>کہنے سننے لگے</u>**)

حضرت مریم علیہ السلام نے جب پہلی بار فرشتے کو انسانی شکل میں دیکھا تو ان کو بھی ڈر محسوس ہوا۔

فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (سورۃ مریم 19 آیت 17)

(ترجمہ: پھر لوگوں کے سامنے سے پردہ ڈال لیا پھر ہم نے اس کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا پھر وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا)

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا (سورۃ مریم 19 آیت 18)

(ترجمہ: کہا بے شک میں تجھ سے **اللہ کی پناہ مانگتی ہوں** اگر تو پرہیز گار ہے)

حضرت مریم کا یہ ڈر ایک اجنبی انسان سے تھا جسے وہ نہیں جانتی تھی۔ حضرت مریم نبی نہیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق ہے کہ:

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ (سورۃ ص 38 آیت 22)

(ترجمہ: جب وہ اس طرح (اچانک اندر) جنابِ داؤد (ع) کے پاس پہنچ گئے تو وہ ان سے **گھبرا گئے** انہوں نے کہا کہ آپ **ڈریں نہیں** ہم دو فریقِ مقدمہ ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے اور راہِ راست کی طرف ہماری راہنمائی کیجیے۔)

حضرت داؤد علیہ السلام نبی وقت اور بادشاہ وقت تھے۔ اتنے پہروں میں سے دو آدمی ان کے پاس پہنچ گئے تو انہیں بھی ڈر محسوس ہوا۔

ان تمام آیات کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو بحیثیت انسان ڈر بھی محسوس ہوتا تھا اور ان کا رد عمل مافوق الفطرت اور عام ڈگر سے ہٹ کر ہونے والے واقعات پر ایسا ہی ہوتا تھا جیسے عام انسانوں کا ہوتا ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ بھی انسان تھے۔ اگر ان کے ساتھ اس قسم کو کوئی واقعہ ہو تو ان کا ردعمل بھی ویسا ہی ہو گا جیسا اوپر بیان کیے گئے انبیاء کرام کا تھا۔یعنی عام انسانوں والا۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے عام انسان ہونے سے متعلق بھی قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں۔

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (سورۃ احقاف 46 آیت 9)

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ رسولوں (ع) میں سے میں کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں (از خود) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر کھلا ہوا ڈرانے والا۔)

مزید فرمایا"

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (سورۃ الکہف 18 آیت 110)

(ترجمہ: (اے رسول (ص)) کہہ دیجئے! کہ میں (بھی) تمہاری طرح ایک بشر (انسان) ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے پس جو کوئی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا امیدوار ہے۔ اسے چاہیے کہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔)

اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں جن میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو عام انسان ہی کہا گیا ہے۔

اب ان باتوں کے بعد ہم روایت کو دوبارہ اس تناظر میں دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک عام انسان ہیں جنہیں نبوت کے لیے چنا گیا ہے۔

" یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، "

اس حصے میں ذکر ہے کہ حق آیا۔ اس سے مراد دین اسلام ہی ہے۔ یعنی ان تک دین حق پہنچا، پہلی وحی کی صورت میں۔ فرشتہ حق پہچانے غار میں آیا ۔ ایک بات اور ذہن میں رہے کہ جو فرشتہ غار میں آ رہا ہے تو وہ انسانی قد و قامت میں ہی ہے۔ فرشتے کا غار میں آنا کوئی اتنے اچنبھے کی بات نہیں کہ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ پر وحی اترنے کا ذکر بھی ہے ان وحی کے ذریعوں میں ایک اہم ذریعہ فرشتے کے ذریعے بھی ہے کہ فرمایا گیا:

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ (سورۃ النحل 16 آیت 2)

وہی **فرشتوں کو اپنی وحی دے** کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، پس تم مجھ سے ڈرو۔

روایت کے مطابق فرشتے نے غار میں آنے کے بعد کہا کہ پڑھ تو جواب میں نبی کریم ﷺ کا یہ جواب کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" بالکل قرآن کے مطابق ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

"وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ "(سورۃ العنکبوت 29 آیت 48)

(ترجمہ: اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب **پڑھتے نہ تھے** اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شک و شبہ میں پڑتے)

اس آیت کے مطابق نبی کریم ﷺ نبوت ملنے سے پہلے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ تو بمطابق قرآن روایت میں فرشتے غار میں آنا اور نبی کریم ﷺ کا یہ جواب کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں بالکل صحیح ہو سکتا ہے۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا"

ایک تو تنہائی پھر اچانک کوئی تنہائی میں آجائے اور کہے کہ پڑھ۔ نبی کریم ﷺ کا بطور انسان کیا ردعمل ہونا چاہیے؟ ان کا ردعمل بھی ویسا ہی تھا جیسا عام انسانوں کا ہونا چاہیے۔ فرشتے نے کہا پڑھ نبی کریم ﷺ نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ عام انسان ایسی صورت میں وہاں سے نکلنا ہی چاہے گا نبی کریم ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہو گا۔ انہوں نے غار میں سے نکلنے کی کوشش کی ہو گی جیسا کہ روایت میں ظاہر ہے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا۔ یہ دبانا یقیناً ہاتھ کا دبانا ہو گا جیسے باہر جانے سے روکنے کے لیے ہاتھ پکڑ لیا پھر اپنا سوال دوہرایا کہ پڑھ نبی کریم ﷺ نے پھر انسانی نفسیات کے مطابق ہی کہا ہو گا کہ میں پڑھا ہوا نہیں تو فرشتے نے پھر باہر جانے سے روکنے کے لیے زیادہ زور سے (ہاتھ) پکڑ کر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا ہو گا کہ باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تو جیسے کہہ رہا ہے پڑھ لوں تو پڑھ لیا۔

روایت کے اس حصے میں آ کر ہمیں اندازے لگانے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہمیں قرآن سے یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ پہلی وحی میں نبی کریم ﷺ کا ردعمل کیا تھا۔ جیسا کہ قرآن میں حضرت موسیٰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ کیسے ان کو راستے میں روکا گیا، اللہ تعالیٰ نے باتیں کی، نبوت عطا کی، نشانیاں عطا کی، اُن کی خواہش کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا نائب بنایا گیا۔ ہاں قرآن میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن کو پڑھتے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب انہیں نبی بنے کچھ روز گذرے تھے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (سورۃ الشعرا 26 آیت 214)

(ترجمہ: اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرا)

اور اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں۔

وحی کا یہ سلسلہ کہیں نا کہیں سے شروع تو ہوا ہے۔ یہ تو نہیں ہوا کہ سارا کا سارا کلام ایک ہی وقت میں نازل ہوا ہو نبی کریم ﷺ کو سب پتہ چل گیا ہو کہ میں نبی ہوں۔ قرآن پاک یک بارگی نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ کفار کا اعتراض تھا۔ بلکہ یہ وقفے وقفے سے نازل ہوا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (سورۃ الفرقان 25 آیت 32)

(ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر یکبارگی قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا اسی طرح اتارا گیا تاکہ ہم اس سے تیرے دل کو اطمینان دیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا)

اب اگر ہم روایت کو چھوڑ کر قرآن سے یہ دیکھنا چاہے کہ نبی کریم ﷺ کو نبی کیسے بنایا گیا تو اس سلسلے میں ہم ایسی کوئی تفصیل نہیں پاتے کہ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے پاتے ہیں۔ مگر ایسا ہوا تو لازمی ہو گا۔ اگر ایسا ہوا ہو گا تو وہ باتیں بھی وحی خداوندی کے زمرے میں ہی آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کوئی وحی خارج از قرآن بھی ہے۔

اگر وحی خارج از قرآن نہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نبی کریم ﷺ کا بحیثیت انسان پہلی وحی کے موقع پر گھبرا جانا اور روایت کے مطابق رد عمل بعید از قیاس نہیں۔

تو روایت کے اس حصے میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا گھبرا کر غار سے نکلنے کی کوشش کرنا اور فرشتے کا ہاتھ پکڑ لینا اگر بالکل درست اندازہ نہیں تو حقیقت سے اتنا دور بھی نہیں۔ موجودہ دور میں بھی اور ماضی میں بھی تمام انسانوں کا اس طرح کی صورتحال پر یہی ردعمل ہو سکتا ہے۔ روایت کا یہ حصہ بالکل انسانی فطرت کے تحت درست ہو سکتا ہے۔
چلیں آگے بڑھتے ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال ذہن میں آتا ھے۔ بڑا غور طلب ہے یہ سوال۔ کہا یہ جارہا ہے کہ جبرئیل امین، آئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھینچ لیا۔ اور کہا۔ پڑھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یہ عمل تین بار ہوا۔ سوال یہ ہے کہ کیا جبرئیل امین کوئی لکھی لکھائی شئے لائے تھے؟ جسے پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاصر تھے؟ کیونکہ اگر بات الفاظ کے دوہرانے کی ہوتی، تو اس کے لیے پڑھا لکھا ہونا لازم ہی نہیں۔ ہم اپنے بچوں تک کو اس طرح پڑھا دیتے ہیں۔ شادی کے اسٹیج پر، مولوی صاحبان، دولہا سے پورے کلمے پڑھواتا ھے، جو اس نے کبھی نہیں پڑھے ہوتے۔

اس کے بارے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جیسا کہ سب جانتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت ملنے سے پہلے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کی پہلی نازل شدہ آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو آیات لے کر آیا تھا وہ لکھی ہوئی شکل میں ہی تھیں۔

ہمارا بھی یہی مشاہدہ ہے کہ تعلیم کا آغاز دوہرانے سے ہی ہوتا ہے۔ جب ہم اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہوتے ہیں بچے کو نہیں پتہ ہوتا کہ الف کیا ہوتا ہے مگر ہمارے دوہرانے کے بعد الف سے انار پھر الف کی شکل اسے سمجھ آتی ہے۔ بلی کا تو بچے کو پتہ ہوتا ہے مگر ب کا نہیں۔ ب کے لفظ کو یاد کرانے کے لیے ہی ہم بلی کی مدد لیتے ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ بچے کو پڑھاتے وقت ماحول وہ نہیں ہوتا جو پہلی وحی کے نزول کے وقت تھا۔ یعنی تنہائی میں ایک انجان شخص کی آمد اور پھر ضد کہ پڑھو۔

اس حوالے سے ابن کثیر نے سورۃ العلق کی تفسیر میں اس طرح سے لکھا ہے کہ

"اس فرشتے نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی، پھر چھوڑ دیا اور اقرا باسم ربک الذی خلق سے مالم یعلم تک پڑھا۔ آپ ان آیتوں کو لیے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو" یہاں لیے ہوئے سے مراد تحریری شکل بھی ہو سکتی ہے۔ روایت کے الفاظ سے یہی لگتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحریری شکل میں روایات دکھائی گئی تھی۔

قرآن سے دیکھا جائے تو وحی کے تین طریقے ملتے ہیں، دل پر القا ہونا، پردے سے پیچھے سے آواز یا فرشتے کے ذریعے سے۔ اگر دل پر القا ہونے والے طریقے کو ذہن میں رکھا جائے تو اقراء کا مطلب پڑھنا ہی ہوتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تھا جسے پڑھنا تھا۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی تھی تو بھی سامنے کچھ ہونا چاہیے۔ اگر فرشتہ آیا تھا تو ظاہر بات ہے کہ وہ کچھ لایا ہو گا کہ جسے پڑھنے کا کہہ رہا تھا۔

اس وحی کا ایک ایک لفظ تا قیامت محفوظ رہنا ہے۔ سب سے پہلے اسے نبی کریم ﷺ نے پڑھا اس کے بعد امت تا قیامت پڑھتی رہے گی۔ اگر جبرائیل امین وحی اس طرح سے پہنچاتے کہ بولو جو میں بول رہا ہوں تو ان کے یہ الفاظ بھی (موجودہ قرآن میں) لکھے ہوئے ہوتے اور ہمیں بھی ویسے ہی پڑھنے پڑھتے۔ اس لیے تا قیامت کے لوگوں کو مد نظر رکھ کر وحی میں پڑھ کے الفاظ آئے ہیں یا ان کے پاس کوئی لکھی ہوئی چیز لائی گئی تھی ۔ ایک بار پھر کہوں گا کہ تعلیم کو شروع کرنے کے لیے لکھے ہوئے کو دیکھ کر دوہرایا جاتا ہے۔

دوسرا سوال یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ کیا فرشتہ ایک نوری مخلوق ہے یا کوئی مادی وجود؟ کیا وہ کسی انسان کو اس طرح بھینچ سکتا ہے، جس سے انسان تکلیف محسوس کرے؟

قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر ہمیں ملتا ہے کہ فرشتے انسانی شکل و صورت میں آسکتے ہیں۔ انسان کا وجود مادی وجود ہوتا ہے جو ظاہر ہے کہ انسان کی طرح کسی کو بھینچ بھی سکتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے ہی انسانی شکل و صورت میں دیوار پھلانگ کر فیصلہ کرانے آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ االسلام کے پاس بھی فرشتے انسانی شکل میں گئے تھے جنہوں نے ان کی قوم کو نیست ونابود کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ االسلام کے پاس بھی فرشتے انسانی شکل میں گئے تھے جنہوں نے انہیں بیٹے کی خوشخبری دی تھی۔ بابل میں دو فرشتے ہاروت اور ماروت لوگوں کی آزمائش کے لیے جادو سکھاتے تھے۔ حضرت مریم علیہ السلام کے سامنے بھی فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ تمام انسان اشکال اور مادی اجسام میں تھے۔ آخرت کے ذکر میں قرآن کریم میں درج ہے کہ فرشتے کس کس طرح عذاب دیں گے۔

"اور کہا پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے،"

روایت کے اس حصے کو جانچنے کے لیے سورۃ القلم کی پہلی پانچ آیتیں ہی دیکھ لیں دونوں ایک ہی ہے مطلب یہ حصہ بھی درست ہو سکتا ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس دھڑکتے دل سے آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو، تو لوگوں نے کمبل اڑھادیا، یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا،"

نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا ردعمل بالکل ویسا ہی تھا جیسا ایک عام انسان کا ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے۔ ایک عام انسان کی کسی بھی اس طرح کی غیر متوقع صورت حال میں یہ حالت ہو سکتی ہے۔

"حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے،"

حضرت محمد ﷺ کا یہ کہنا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے سے ایک بات اور میرے ذہن میں آتی ہے کہ آج کل بھی بعض قریب المرگ لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں عجیب وغریب طرح کے لوگ نظر آئے جسے عرف عام میں مُردے نظر آنا کہا جاتا ہے۔ غالباً یہ چیزیں اس وقت بھی ہوتی ہو۔ شاید نبی کریم ﷺ کا اشارہ اسی طرف ہو کہ چونکہ انہوں نے ایک اجنبی انسان کو دیکھا ہے اور انکے ساتھ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا ہے، ہونا ہو یہ موت کی نشانی ہو۔

اس سلسلے میں ذاتی مشاہدات تو بے شمار لکھے جاسکتے ہیں مگر وہ صرف اپنی ذات کے لیے ہی قابل قبول ہوتے ہیں کسی اور کے لیے نہیں اس لیے ان سے اجتناب کر رہا ہوں۔

قرآن کریم میں بھی یہ بات ہے کہ فرشتوں کا نظر آنا موت کی نشانی ہوتا ہے۔ مگر نبیوں کے لیے نہیں صرف عام لوگوں کے لیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ (سورۃ الانعام 6 آیت 8)
(ترجمہ: اور وہ (کفّار) کہتے ہیں کہ اس (رسولِ مکرّم) پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا (جسے ہم ظاہراً دیکھ سکتے اور وہ ان کی تصدیق کر دیتا)، اور ہم اگر **فرشتہ اتار دیتے تو (ان کا) کام ہی تمام ہو چکا ہوتا** پھر انہیں (ذرا بھی) مہلت نہ دی جاتی،)

اس آیت میں کفار کا اعتراض تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر کوئی فرشتہ نہیں اتارا اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بھی بتا دیا ہے کہ فرشتہ اترنے کا مطلب مہلت ختم ہونا ہے۔

جس وقت غار حرا کا واقعہ پیش آیا اس وقت یہ آیت تو نازل نہیں ہوئی تھی مگر اس کے انداز بیان سے لگتا ہے کہ کفار کو اور مکے والوں کو بھی پتا تھا کہ فرشتے نظر آنے کا مطلب موت ہی ہوتا ہے۔

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا،"
روایت کے اس حصے کا مطلب میرے خیال میں کچھ اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مشرکانہ سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ ان مشرکانہ سرگرمیوں سے بچنے کے لیے ہی تو وہ غار حرا جایا کرتے تھے۔ اب ان کے غار حرا جانے کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی اس طرح

واقعہ پیش آجاتا ہے جس کے باعث آپ ﷺ کو کچھ ہو جائے تو کفار کو تو یہی کہنے کا موقع مل جائے گا کہ لات ومنات وعزیٰ اور دیگر بتوں کا قہر نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رسوانہ کرنے کا مطلب یہ ہی ہو سکتا ہے کہ مشرکانہ عقائد کے سامنے نبی کریم ﷺ کو رسوانہ ہونے دینا۔

اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ آپ دیوانہ سمجھیں جیسا کہ سورۃ القلم سورۃ 68 کی آیت 2 سے بھی واضح ہے شاید کچھ لوگوں کا خیال ہو کہ نبی کریم ﷺ حواس میں نہیں۔ حواس میں نہ ہونا بھی باعث رسوائی ہوتا ہے۔

" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توصلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں، "

روایات کے اس حصے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہانے نبی کریم کو ان کے اوصاف بتائے ہیں کہ یہ ہی وہ اوصاف ہیں جو اللہ کے نیک بندوں کے ہوا کرتے ہیں اور اللہ اپنے ایسے نیک بندوں کو کفر کے سامنے رسوا نہیں ہونے دیتا۔

نیز پچھلے تمام انبیاء علیہ السلام میں بھی یہ ہی اوصاف ہوتے تھے۔ ان باتوں کی گواہی تو پورا قرآن ہی دیتا ہے اس سلسلے میں مجھے آیات لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بے شک نبی کریم ﷺ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں۔ تمام جہانوں کے لیے تمام عالموں کے لیے باعث رحمت۔ ﷺ۔

"پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبد العزی کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے "

ورقہ بن نوفل کی شخصیت پر بہت سے لوگوں کو اعتراضات ہیں۔ اس میں کچھ مسلمان بھی شامل ہیں تو عیسائی بھی اور یہودی بھی۔ ایک گروہ تو اب ایسا بھی آیا ہے جو کہتا ہے ورقہ بن نوفل نامی کی شخصیت کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس گروہ کے پیش کیے گئے اعتراضات اتنے

بچگانہ ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی یقین نہیں آتا کہ اعتراض کرنے والے واقعی اپنے حواس میں ہونگے یا کبھی انہوں نے اپنے اعتراضات پر ذارسا بھی غور و فکر کر لیا ہو۔ خیر ان کے اعتراضات کا بھی جائزہ اسی مضمون میں آجائے گا۔

ابھی جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی پہلی نازل ہونے والی وحی میں کوئی ایسے الفاظ نہیں کہ جن سے نبی کریم ﷺ کو پتہ چلتا کہ رسول منتخب کر لیے گئے ہیں بلکہ اس سے اگلی وحی سورۃ القلم کی آیت 2 سے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ خود کو ہی دیوانہ سمجھنے لگ گئے ہوں اور اس آیت میں ان کو تسلی دی گئی ہو۔ اس کا واضح مطلب ایک یہ بھی ہے کہ ایک ایسا واقعہ ہوا تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے اور لوگوں نے ان کے متعلق ایسا خیال کیا۔ مگر اللہ کے فضل سے فوراً ہی نبی کریم ﷺ کی اور لوگوں کی تسلی کرا دی گئی۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا ہے کوئی بات تو ہوئی نہ ہو مگر تسلی خواہ مخواہ کرائی جا رہی ہو کہ آپ دیوانہ نہیں ہے۔ آج کل کے حالات میں تو یوں ہوتا ہے کہ ایک شخص اچانک کھڑا ہو کر چلانا شروع کر دے کہ میں پاگل نہیں ہوں، پاگل نہیں ہوں تو لوگوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ پاگل ہے۔ آپ کسی کو خود یہ کہہ کر دیکھ لیں کہ بھائی آپ پاگل نہیں ہو، اگلا بندہ آپ کو ہی پاگل سمجھے کہ کی مجھے کیا ہوا ہے جو مجھے پاگل سمجھ رہا ہے۔ یہ تو خیر ضمنی بات تھی۔ سورۃ القلم 68 کی آیت 2 کے حوالے سے بھی اس وقت کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو گا۔ روایت کی طرف واپس آتے ہیں ان حالات میں کہ اگر کفار سے اس طرح کی بات یا واقعہ بیان کریں گے تو دیوانہ اور پاگل سمجھیں گے اور انہوں نے بعد میں ایسا سمجھا بھی۔ ان حالات کی وجہ سے ہی ورقہ بن نوفل سے ہی مشورہ کرنا مناسب معلوم ہوا ہو گا۔ اس کی شخصیت کے حوالے سے آگے تذکرہ آتا رہے گا یہاں بس اتنا ہی کہ روایت کا یہ حصہ بالکل درست ہو سکتا ہے۔

"، زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے"

جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس سے ایک دن پہلے بھی جاہلیت کا ہی زمانہ تھا۔ علم کا اور روشنی کا زمانہ تبھی شروع ہوا جب پہلی وحی نازل ہوئی۔ غالباً راوی کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پہلے کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ ہو گا۔ یہ بھی چالیس پینتالیس سال سے زیادہ کی ہی بات ہو گی۔ روایت میں ہے کہ ورقہ بن نوفل کافی بوڑھے تھے اور جوانی میں نصرانی ہوئے ہونگے۔ چونکہ بائبل کے عالم تھے۔ عالم بننے کے لیے ایک دو دن نہیں عرصہ چاہیے ہوتا ہے۔

"اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، دوسری روایت کے مطابق انجیل کو عربی میں پڑھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا، نابینا اور بوڑھے ہو گئے تھے،"

اس حصے میں یہ بات تو صحیح ہو سکتی ہے کہ عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے مگر آگے یہ جو لکھا ہوا ہے "چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے" کچھ درست معلوم نہیں ہوتا اپنے الفاظ سے ہی یہ بات روایت بیان کرنے والے کا اندازہ معلوم ہو رہی ہے۔ ہاں دوسری روایت کے مطابق انجیل کو عربی میں پڑھا کرتے تھے درست معلوم ہوتی ہے۔

عبرانی کتاب لکھنے سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ عبرانی زبان میں کتاب لکھا کرتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ عبرانی میں موجود کتاب کو لکھا کرتے تھے۔ اب چونکہ وہ رہائش پذیر عرب میں تھے اس لیے عربی میں ہی لکھتے اور پڑھتے ہونگے۔ اس حوالے سے یہ بات کہ انجیل کو عربی میں پڑھا کرتے تھے درست معلوم ہوتی ہے۔ اس سے آگے لکھا ہوا ہے کہ جس قدر اللہ چاہتا غالباً یہ پڑھنے کی بات ہے کہ جس قدر اللہ چاہتا پڑھ لیتے لکھنے کا کام انہوں نے اپنی جوانی میں ہی کیا ہو گا۔ بڑھاپے میں تو نابینا ہو گئے تھے۔

" ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، بیان کر دیا،"

حضرت محمد ﷺ نے تمام واقعہ جو غار حرام میں پیش آیا تھا ورقہ بن نوفل کو بیان کر دیا۔

"ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے (اس ناموس کو فرشتے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ الناموس یعنی وہ رازدار جسے آدمی اپنے ایسے راز بتادے جنہیں وہ ہر ایک پر ظاہر نہیں کرتا)، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا"

ورقہ بن نوفل نے تمام واقعہ سنتے ہی فوراً کہا کہ یہ تو وہی ناموس ہے۔ اس روایت میں ناموس فرشتے کو بیان کیا گیا ہے اس علاوہ رازدار آدمی کو بھی الناموس کا نام دیا گیا ہے۔

اس لفظ ناموس کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی تحقیق سے میں بالکل متفق ہوں ۔ آپ سے بھی بیان کرتا ہوں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے اس لفظ ناموس کی وضاحت یوں کی ہے کہ:

"ناموس" کا لفظ عام طور پر اردو میں عزت کے لیے مستعمل ہے۔ظاہر ہے کہ یہاں یہ مفہوم نہیں ہو سکتا۔ بعض لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ناموس کا نام دیا جاتا ہے۔اسلامی ادبیات میں وہ "روح الامین" ہیں مگر یہ معنی بھی یہاں کام نہیں دیتے۔میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ "ناموس" اصل میں ایک اجنبی لفظ ہے، جو معرب ہو کر عربی زبان میں مستعمل ہوا۔یہ یونانی زبان کا لفظ "نوموس" (Nomos) ہے۔یونانی زبان میں لفظ توریت کو نوموس یعنی قانون کہتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں ورقہ بن نوفل کا بیان ہے کہ یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے مشابہ ہے اور یہی معنی زیادہ قرین قیاس نظر آتے ہیں۔(کتاب خطبات بہاولپور، باب تاریخ قرآن مجید)

ورقہ بن نوفل چونکہ توریت کے عالم تھے اس لیے فوراً پہچان گئے کہ یہ تو وہی کلام و واقعات ہیں جو پچھلی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔قصہ مختصر لفظ ناموس کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی یہ دلیل فرشتے اور راز دار والے معنوں سے زیادہ بہتر ہے۔ روایت کا یہ حصہ بالکل درست ہو سکتا ہے۔

"،کاش میں نوجوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کیا وہ مجھے نکال دیں گے ؟ ورقہ نے جواب دیا، ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا،"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا کلام جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا پہلی وحی سے آخری وحی بالکل ایسے ہی محفوظ ہے جیسے نبی کریم ﷺ کے دور میں تھا۔ اوپر ہم دیکھ آئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جو جو آیات پہلی دفعہ نازل ہوئی اس سے ان کا بحیثیت انسان گھبرا جانا بالکل ممکن ہے۔روایات اور بہت سی آیات سے یہ واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نبوت سے پہلے ہی سے مشرکانہ سرگرمیوں میں شامل نہ تھے۔ ظاہر سی بات ہے جو کفار کی ان سرگرمیوں میں شامل نہ ہو گا وہ ان کا پسندیدہ تو نہ ہو گا۔ہاں صداقت اور امانت کے معاملات میں نبی کریم ﷺ سب کے آئیڈیل تھے۔

اب روایت کے اس حصے پر بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل کو کیسے پتا چلا کہ حضرت محمد ﷺ نبی ہیں؟ اسے کیسے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کو ہجرت کرنا پڑے گی؟ اسے کیسے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ سے دشمنی کی جائے گی؟

اس کا جواب انہی روایات میں ہے۔ ورقہ بن نوفل **توریت و انجیل کا عالم** تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی **تمام تعلیمات یاد تھی**۔ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی یاد تھا جسے بعد میں انجیل سے ختم کر دیا گیا کہ ایک **آخری نبی (ﷺ) آئے گا** اس کا نام **احمد (ﷺ) ہو گا**۔ بے شک انجیل سے یہ آیت بعد میں یا جب نبی کریم ﷺ کی دعوت عیسائی مبلغین تک پہنچی تو انجیل کی یہ آیات حذف کر دی گئی۔ وجہ اس کی سب جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے جبکہ یہود و نصاریٰ آخری نبی کو بنی اسرائیل میں دیکھنا چاہتے تھے۔ **ورقہ بن نوفل بھی چونکہ عرب کا ہی رہنے والا تھا اس لیے اسے ان آیات کو چھپانے کی کوئی ضرورت نہ تھی**۔ مگر ہم دیکھتے ہیں سوائے انجیل برنباس کے کسی اور انجیل اور صحیفے میں نبی کریم ﷺ کا ذکر شامل نہیں مگر اس انجیل برنباس کو بائبل میں شامل ہی نہیں کیا جاتا۔ خیر یہ الگ موضوع ہے انجیل سے آیات حذف ہونے پر اللہ تعالیٰ نے بعد میں یہود و نصاریٰ کو یاد دلانے کے لیے یہی بات قرآن مجید میں یوں نازل کی۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (سورۃ الصف 61 آیت 6)

(ترجمہ: اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف سے رسول ہوں تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا **اس کا نام احمد ہو گا** پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے"

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کا باقاعدہ نام تک آیا ہے۔ ورقہ بن نوفل کو نبی کریم ﷺ کا نام محمد (ﷺ) اور احمد (ﷺ) دونوں معلوم تھے۔ تو اس وجہ سے وہ فوراً پہچان گیا کہ جس احمد نے آنا ہے وہ یہی احمد ہے۔

اس کے بعد کے عرصے میں جب نبی کریم ﷺ نے جب اپنی نبوت کی نشانیاں دی تو یہود و نصاریٰ انکار کرنے لگے جس کا ذکر اس آیت میں بھی ہے۔

جہاں تک ہجرت کا اور کفار کے دشمنی کرنے کی بات ہے تو اس روایت میں ہی جواب ہے کہ جو بھی اس طرح کا کلام لایا اسے ہجرت کرنا پڑی اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ ورقہ بن نوفل یقیناً بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اور ان کی ہجرت کے بارے میں پڑھ چکا تھا جو بعد میں نبی کریم ﷺ پر بھی وحی کیے گئے جیسا کہ ارشار باری تعالیٰ ہے۔

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورۃ العنکبوت 29 آیت 26)

(ترجمہ: پھر اس پر لوط ایمان لایا اور ابراھیم نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف **ہجرت کرنے والا ہوں** بے شک وہ غالب حکمت والا ہے)

اب اگر اس آیت میں حضرت لوط کے ایمان لانے کا ذکر نہ ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفر کی ظلمت سے ایمان کی روشنی کی طرف ہجرت کی۔ مگر اس آیت میں الفاظ آئے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کی۔

دوسرا یہ کہ دشمنی کی سب سے بڑی وجہ تو خود ورقہ بن نوفل کے سامنے تھی۔ اسے بھی معلوم تھا خانہ خدا کو بت خانہ بنا دیا گیا ہے اور قریش کی ساری آن بان اسی سے وابستہ ہے۔ ایسے میں وہاں کھلم کھلا وحدانیت کی باتیں کسے اچھی لگ سکتی تھی۔ ہم بلاشبہ ورقہ بن نوفل کو پہلا مسلمان صحابی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے نبوت ﷺ کی تصدیق کی۔

اب اس مقام پر آکر کچھ یہودی لوگ مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارے رسول (ﷺ) کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ وہ رسول ہیں۔ یہ تو ایک ہمارے ایک یہودی عالم نے انہیں بتایا کہ وہ نبی (ﷺ) ہیں۔ یہاں پر آکر ہمارے بہت سارے دوستوں کی غیرت ایمانی کو دھچکا

لگتا ہے اور وہ اس پورے واقعے کو ہی یہودی سازش قرار دے کر رد کرنا شروع کر دیتے ہیں، ارے خدا کے بندو ان یہود کو جو تمہیں طعنہ دیتے ہیں یہ کیوں نہیں کہتے کہ **جب تمہارے ایک یہودی عالم نے حضرت محمد ﷺ کے نبی (ﷺ) ہونے کی تصدیق کر دی ہے تو تم کو اس نبی (ﷺ) کی صداقت پر کس چیز کا اعتراض؟**

تمہارے بائبل کے عالم ورقہ بن نوفل نے بھی تو پہچان لیا تھا کہ حضرت محمد ﷺ نبی برحق ہیں اور اس سلسلے میں انہیں کفار کی دشمنی بھی مول لینی پڑے گی۔ ارے یہود و نصاریٰ کے اس مسلمان عالم ورقہ بن نوفل نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر میں نوجوان ہوتا تو نبی کریم ﷺ کی مدد کرتا۔ پھر کیا وجہ کہ **آج کے یہود نصاریٰ صرف ورقہ بن نوفل کی برتری کا راگ ہی الاپتے ہیں اور اُن کی کہی ہوئی بات نہیں مانتے؟**

قرآن کریم کی آیت یعنی سورۃ الصف 61 آیت 6:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (سورۃ الصف 61 آیت 6)
(ترجمہ: اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف سے رسول ہوں تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے"

کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس دور کا کوئی "عالم" نبی کریم ﷺ کو پہچان نہیں سکتا۔ یا پہچان لے تو یہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی اور اس پہچاننے والے کا درجہ بڑھانے والی بات ہے۔ نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا درجہ بے شک سب انسانوں میں بلند ترین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بار بار اہل کتاب کے عالموں سے رجوع کرنے کا کہا ہے ان کو اہل علم کہا ہے کہ ان کو پہلے پیغمبروں کا بھی پتا تھا اور آنے والوں کا۔ آنے والے کے حوالے سے تو اوپر آیت لکھ دی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی کہلائی گئی۔ پہلے والوں کے لیے کہا گیا ہے کہ۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (سورۃ النحل 16 آیت 43)
(ترجمہ: اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو)

یہ اہل علم الہامی کتابوں کا علم رکھنے والوں کو ہی کہا گیا ہے۔ مگر ان کے کچھ عالموں اور لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے ذکر میں اپنے ذاتی، معاشی، مذہبی مفاد کے لیے اللہ کا کلام بدل ڈالا۔ ایک ثبوت تو ہمارے پاس ہے (سورۃ الصف 61 آیت 6) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی کہلوائی گئی بات جو احمد (ﷺ) کے آنے سے متعلق تھی وہ ختم کر دی گئی۔ اور بھی بہت سی باتوں کی تبدیلی کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (سورۃ البقرۃ 2 آیت 75)
(کیا تمہیں امید ہے کہ یہود تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ بھی گزرا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اسے سمجھنے کے بعد **جان بوجھ کر بدل ڈالتا تھا**):

اسی گروہ یا اس کی باقیات نے نبی کریم ﷺ سے متعلق بائبل کی آیات بھی تبدیل کی۔

"اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔"

تمام قرآن چونکہ وقفے وقفے سے نازل ہوا تاکہ نبی کریم ﷺ اسے یاد کرلیں تو یہ شروع کا وقفہ بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (سورۃ الفرقان 25 آیت 32)
(ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر یکبارگی قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا اسی طرح اتارا گیا تاکہ ہم اس سے تیرے دل کو اطمینان دیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا)

"اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار میں جارہا تھا تو آسمان سے ایک آواز سنی، تو میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہو گیا حتیٰ کہ زمین پر گرنے لگا۔"
یہ اُسی فرشتے کا ایک اور نظارہ دوسرے قد کاٹھ میں تھا۔ پہلی دفعہ تو غار میں انسانی قد کاٹھ میں دیکھا تھا مگر اب کہ بہت بڑی جسامت میں فرشتے کا نظارہ کیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بائبل میں حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق بھی ہے کہ:

"1۔ تواریخ: باب 21 : 16۔ اور داؤد نے اپنی آنکھیں اٹھا کر آسمان و زمین کے بیچ خداوند کے فرشتے کو کھڑے دیکھا"

یہی بات اس روایت میں بھی کی گئی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا یہ بیان کہ زمین پر گرنے لگا خوف کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ لکھا ہوا ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ فرشتہ اتنے بڑے وجود میں تھا کہ اسے دیکھتے ہوئے آدمی گر جائے۔ جیسے پہلے کے لوگ کہتے تھے کہ فلاں مینار اتنا اونچا ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے پگڑی گر جائے۔ مگر یہاں خوف کی وجہ سے گرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ یہ پہلی دفعہ کا واقعہ ہے کہ جس میں فرشتے کو اتنے بڑے وجود میں دیکھا اور خوف زدہ ہوئے مگر دوسری دفعہ دیکھ کر انہیں بالکل ڈر محسوس نہیں ہوا۔ اس طرح کا دوسرا واقعہ قرآن کریم میں لکھا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (سورۃ النجم 53 آیت 13)

(ترجمہ: **اور اس نے تو اسے ایک بار اور بھی دیکھا ہے**)

اس سے پہلے اس طرح آسمان کی طرف دیکھنے کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ وہی واقعہ ہے جو روایت میں ہے۔ فرشتے کو پہلی دفعہ دیکھنے کا واقعہ روایت میں اور دوسری دفعہ دیکھنے کا قرآن کریم سورۃ النجم 53 آیت 13 میں۔ ان آیات میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس دوسری دفعہ دیکھنے میں کوئی خوف ڈر محسوس نہیں ہوا کہ پہلے ہی اس طرح دیکھ چکے تھے۔

" پھر گھر واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو اور ٹھنڈا پانی بہاؤ، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ () قُمْ فَأَنذِرْ () وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ () وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے،

اسکے علاوہ بتوں کو چھوڑنے کا بھی کہا پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا اور لگاتار آنے لگی،

اس پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ بحیثیت انسان نبی کریم ﷺ کا خوفزدہ ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس کے بعد غالبا آپ کبھی وحی سے خوفزدہ نہیں ہوئے بلکہ بطور نبی آخر الزمان اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس کے علاوہ ورقہ بن نوفل سے متعلق ایک حدیث اور اس حدیث کی تشریح بھی ہے۔ اسے ویسے ہی لکھ رہا ہوں کہ اس کی بہت سی باتوں کا جائزہ ہم اوپر لے چکے ہیں۔

"وعن عائشة رضي الله عنها قالت سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ورقة . فقالت له خديجة إنه كان قد صدقك ولكن مات قبل أن تظهر . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أريته في المنام وعليه ثياب بيض ولو كان من أهل النار لكان عليه لباس غير ذلك" . رواه أحمد والترمذي.

ترجمہ:

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ ابن نوفل کے بارے میں پوچھا گیا (کہ وہ مؤمن تھے یا نہیں ؟) اور حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا کہ وہ ورقہ نوفل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہونے سے پہلے مر گئے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو خواب میں ورقہ بن نوفل کو اس حالت میں دکھلایا گیا ہے کہ اس پر سفید کپڑے تھے اور وہ دوزخی ہوتے تو ان کے جسم پر اور طرح کے کپڑے ہوتے۔(الترمذی)

تشریح:

ورقہ ابن نوفل ابن اسد ابن عبد العزی۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبری کے چچازاد بھائی تھے انہوں نے زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کر کے اس میں کافی ورک پیدا کیا تھا اور انجیل کو عربی زبان میں منتقل کیا تھا ان کے بارے میں ثابت ہے کہ بت پرستی سے سخت بیزار تھے اور اپنے طریقے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے، کافی معمر تھے اور عمر کے آخری حصے میں بنیائی سے بالکل محروم ہو گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سر فراز فرمایا گیا۔ اور پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ان کے پاس گئیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا تذکرہ آسمانی کتب میں کیا گیا ہے یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور سیرت و تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ مشہور کتاب اسد الغابہ کے مصنف نے ورقہ ابن نوفل کا تذکرہ صحابہ کے زمرے میں کیا ہے اور ان کے اسلام کے بارے میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کو بعینہ نقل کیا ہے! حضرت خدیجہ کی حیات میں حضرت عائشہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں تھیں اس لئے انہوں نے اس روایت کو صحابہ سے بطریق سماع نقل کیا ہو گا۔ اور حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا الخ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ ابن نوفل کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی کی حالت کو بیان کیا لیکن اسلوب کلام ایسا اختیار کیا کہ ورقہ ابن

نوفل کی حقیقت بھی واضح ہو جائے اور مرتبہ نبوت کا ادب بھی ملحوظ رہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے یعنی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس فرشتہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے وہ اللہ کی طرف سے انبیاء کے پاس وحی لانے والا ہی فرشتہ ہے جو آپ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور وغلبہ کے وقت زندہ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کروں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت پہنچاؤں گا۔ گویا ایک طرف تو اس بات سے حضرت خدیجہ نے ان کو ایمان کو ثابت کرنا چاہا اور دوسری طرف انہوں نے یہ بھی کہا کہ لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہونے سے پہلے مر گئے تھے اس سے انہوں نے ان کے ایمان کے بارے میں شک کو بھی ظاہر کر دیا اور پھر اس کے بعد آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ وہ مؤمن تھے لہٰذا یہ حدیث ورقہ ابن نوفل کے ایمان پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر بھی ہے کہ جب انہوں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو پھر ان کے ایمان کے سلسلہ میں اختلاف کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر ان کا تصدیق کرنا نبوت سے پہلے ہوتا تو بے شک اختلاف کی گنجائش تھی۔ "

چند اعتراضات

ابھی چند دنوں سے میں ورقہ بن نوفل کے بارے میں اس طرح کے اعتراضات پڑھ رہا ہوں جن میں کہا جاتا ہے کہ ورقہ بن نوفل نام کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی۔ اس سلسلے میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ ایسے تو نہیں کہ ان پر کوئی توجہ دی جائے مگر پھر بھی میرے چند عزیز دوست ایسے ہیں جو خود تو کبھی قرآن نہیں پڑھتے مگر اعتراضات سارے پڑھتے ہیں اور اُن اعتراضات کو بہت اہمیت دیتے ہیں ۔اُن معصوم ذہن کے لوگوں کی وجہ سے ان اعتراضات کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ ان اعتراضات میں سے اکثر کے بارے میں ہم اوپر ہی لکھ آئے ہیں۔

پہلا اعتراض تو یہ کیا جاتا ہے کہ ورقہ بن نوفل نام کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی۔

میرے خیال میں اس اعتراض کی وجہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اعتراضات ہیں کہ تمہارے نبی (ﷺ) کو ہمارے یہودی عالم نے بتایا تھا کہ وہ نبی (ﷺ) ہیں۔ یہاں پر ہمارے دوستوں کی غیرت کو ایسا دھچکا لگتا ہے اور فوراً اس واقعے کو یہودی یا مجوسی سازش بنا دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ہم اوپر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔ مگر ہمارے دوستوں کا یہ رویہ بالکل بھی ٹھیک نہیں کہ روایات کو تاریخ کہہ کر اس میں سے جو چیز ان کے مقاصد کو پورا کرے اسے قبول کر لیں، اس کی مثالیں دیں اور جہاں ذرا سی ٹھیس پہنچے وہ مجوسی سازش۔ اسلام کے خلاف واقعی سازشیں ہوئیں ہیں اور آج تک ہو رہی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو چیز آپ کی سمجھ میں نہ آئے یا آپ کے قائم کیے ہوئے نظریے سے ذرا سی مختلف ہو وہ سازش اور باقی سب درست ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ روایات کی کتابوں کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری کتاب سے ورقہ بن نوفل کا وجود ثابت کر کے دکھاؤ۔ اس طرح تو آپ جس مرضی صحابی کے خلاف فتویٰ لگا دیں کہ اس کا وجود ثابت کر کے دکھاؤ کوئی کیا کہہ سکتا ہے آپ کو۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں ورقہ بھی نوفل کی شخصیت سے انکار کر کے ہمارے

دوست صرف اور صرف یہودیوں کے اعتراض سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اعتراض تو یہودیوں پر کرنا چاہیے کہ **جناب جب آپ کے یہودی عالم نے ہمارے نبی ﷺ کی تصدیق کی ہے تو آپ بھی ایمان لے آئیں**۔ ورنہ اگر یہ صرف یہ ہی بات ہے کہ روایات کی کتب کے علاوہ دوسری کتب سے ثابت کر کے دکھاؤ تو پھر اس طرح تو اور کل کو اور بہت سے صحابہ کرام کے بارے میں تاریخ کے بارے میں یہی اعتراض کیا جائے گا کہ کسی دوسری کتب سے ثابت کرو۔ حالانکہ ورقہ بن نوفل کا شجرہ نسب تین چار پشت تک تو لکھا ہوا ہے۔

ایک اعتراض اور یہ کیا گیا کہ ورقہ بن نوفل کن کے لیے عبرانی میں ترجمہ کر رہا تھا۔ بخاری کی جلد اول کی حدیث نمبر 3 میں الفاظ یوں آئے ہیں " اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے،" اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے کا مطلب عبرانی کتاب سے اخذ کر کے لکھنا ہی ہے۔ یہ جو اگلے الفاظ ہیں " چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے،" یہ راوی کا اپنا خیال ہو سکتا ہے جسے اضافی معلومات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں وضاحت دوسری حدیث سے ہو جاتی ہے جو کہ صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 628 ہے جس میں الفاظ آئے ہیں کہ " اور ورقہ نصرانی ہو گئے تھے **انجیل کو عربی میں پڑھا کرتے تھے**"
جس طرح قرآن کی ایک آیت کو سمجھنے کے لیے اسی طرح کی دوسری آیت دیکھنی ضروری ہے جسے تصریف آیات کہا جاتا ہے اسی طرح اگر ایک واقعے کے حوالے سے اس کی مختلف روایات دیکھنے سے بھی صحیح بات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ایک اور اعترض کے لیے اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے۔
"تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ" (سورۃ ہود 11 آیت 49)
" اے محمدؐ، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم، پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے "(ترجمہ: مولانا مودودی)

یہاں پر جو اعتراض کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ پرانی قوموں کے حالات (آیت میں تو غیب کی خبروں کے بارے میں کہا گیا ہے) نہ نبی کریم ﷺ جانتے تھے اور نہ ہی مکہ والے اگر ورقہ بن نوفل اصل کردار ہے تو وہ پرانی کتابوں کی باتیں جانتا ہو گا۔ پرانے نبیوں کے ناموں سے بھی واقف ہو گا اس نے ذکر بھی کیا ہو گا اہل مکہ سے اس کا۔ تو پھر سب کو یہ باتیں پہلے سے پتہ ہونی چاہیے اس طرح یہ آیت غلط ہو جاتی ہے اب چونکہ یہ آیت غلط نہیں ہو سکتی اس لیے ورقہ بن نوفل نام کا بندہ ہی کوئی نہیں۔ اس آیت کو تو ہم بعد میں دیکھیں گے پہلے اعتراض کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ اعتراض کی بنیاد یہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور اور ان کی قوم کو پرانی قوموں کے حالات کا نہیں پتا تھا اور اس کی بنیاد یہ کہ ان کا واسطہ کسی اہل کتاب یعنی بائبل پڑھنے والے سے نہیں تھا۔

اس کا جواب اگر ہم قرآن مجید سے دیکھیں تو مدنی سورتوں میں خاص طور پر اہل کتاب کو یہود و نصاریٰ کو مخاطب کیا گیا ہے، ان کے سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں (مدینہ مکے سے اتنا دور نہیں کہ مدینے کا کوئی آدمی مکہ نہ آیا ہو یا مکہ کا کوئی آدمی مدینہ کو نہ جانتا ہو۔ مدینے تجارت کی مرکزی شاہراہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ دوسرے ممالک کو جانے والے قافلے وہاں سے گذرتے تھے۔ جنگ بدر کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان شاید کفار کا قافلہ نہ لوٹ لیں۔ مدینے کے لوگ بھی حج کرنے جاتے تھے)۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا ہے اہل کتاب تو مدینے میں حاضر نہ ہوں اور ان کو مخاطب کر کے آیتیں نازل ہو رہی ہوں۔ مکی زندگی کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس سوال کے لیے کہ کیا اہل مکہ پرانی قوموں کے حالات جانتے تھے یا نہیں یا ان کا تعلق اہل کتاب سے تھا یا نہیں اس کے لیے سورۃ قریش بہت اہم ہے۔

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ () إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (سورۃ قریش:106 آیت: 2-1)

(مفہوم: قریش کعبے کے متولی ہیں۔ اس لیے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عزت و عظمت ہے۔ اسی عظمت و احترام کا نتیجہ ہے کہ ہمسایہ قبائل اور ممالک نے ان سے عہد و پیمان کر رکھے ہیں کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہیں لوٹے گا۔ چنانچہ یہ سردی اور گرمی سال بھر اپنے تجارتی قافلے مسلسل اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔) مفہوم از غلام احمد پرویز

ایلاف کا مطلب معاہدوں اور سمجھوتوں کا ہی ہوتا ہے۔ مکہ والوں کے سارے عرب کے قبیلوں سے معاہدے تھے جن میں لکھا ہوتا تھا کہ قریش ان قبیلے والوں کا مال بہت کم کمیشن پر اور بعض دفعہ مفت ہی دوسرے ملکوں میں بیچ آئیں گے جس کے بدلے میں قریش کے قافلوں کی حفاظت کی ذمہ داری اُن قبائل کے ذمے ہوتی تھی۔ قریش مکہ کے معاہدے قیصر روم تک سے تھے۔ یہ معاہدے حضور ﷺ کے پڑ دادا ہاشم کے زمانے سے تھے۔ سردیوں میں کاروان یمن جاتے اور گرمیوں میں انقرہ تک۔ یہ تمام علاقے یہود و نصاریٰ کے تھے۔ (اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے مضمون "ایلاف۔ جاہلیت میں عربوں کے معاشی اور سفارتی تعلقات" کا مطالعہ واقعی قارئین کے لیے معلومات افزاء ہو گا۔) اس زمانے میں جب سفر مہینوں کے ہوتے تھے، قیام طویل ہوتا تھا کیا قریش کو کبھی ان لوگوں کے مذہب کا نہیں پتا چلا ہو گا۔ اس صورت میں جب عیسائیت کے پیغام کو غیر اقوام تک بھی پہنچایا جارہا تھا۔ عیسائی بے شک مکہ نہ آسکے ہوں مگر کیا کبھی کسی نے اپنے ہاں آئے لوگوں کو اپنے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہو گا؟

یہ چند آیات اور دیکھیں سورۃ ہود 11 آیت 49 جیسی ہی ہیں۔

"ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ " (سورۃ یوسف 12 آیت 102)

اے محمدؐ، یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اُس وقت موجود نہ تھے جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی (ترجمہ: مولانا مودودی)

ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم وہاں موجود نہیں تھے اور تمام بات ایسے بتا رہے ہیں جیسے کہ وہاں سے لائیو کمنٹری کر رہے ہوں۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل بھی تھی۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (سورۃ البقرۃ 2 آیت 133)

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے، جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بچوں سے پوچھا: "بچو! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے ؟" ان سب نے جواب دیا: "ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم اُسی کے مسلم ہیں"

تو کیا قریش مکہ نے اپنے تجارتی سفروں کے دوران جبکہ عیسائی ممالک میں جگہ جگہ گرجے تھے کبھی ان واقعات کے بارے میں نہیں سنا؟ یہ تمام واقعات بائبل میں ہیں تو کیا نبی کریم ﷺ کے زمانے کے کسی قریشی کو بائبل دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہو گا یا بائبل پڑھنے والوں سے کسی نبی کا نام اور قصہ نہیں سنا ہو گا۔ حیرت کی بات لگتی ہے مجھے کہ قریش کو یہ تو پتا ہو کہ **ہم اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں** اور باقی کسی بات کے متعلق انہوں نے نہ سنا ہو؟ لازمی بات ہے کہ سنا ہو گا۔

تو اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کیا کہہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور مکہ والوں کو کیا نہیں پتا تھا۔

صرف ایک آیت پکڑ کر اعتراض نہیں کرنا چاہے بلکہ سیاق وسباق بھی دیکھ لینا چاہیے۔

سب سے پہلے تو ہم سورۃ ہود 11 آیت 49 کو سمجھنے کے لیے اس کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہیں۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بتانے کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں۔ چلیں ہم وہ پورا قصہ قرآن سے پڑھتے ہیں۔

" اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا بے شک میں تمہیں صاف ڈرانے والا ہوں (25) ---------- اور ہمارے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی بنا اور ظالموں کے حق میں مجھ سے کوئی بات نہ کر بے شک وہ غرق کیے جائیں گے (37) اور وہ کشتی بناتے تھے اور جب اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے اس سے ہنسی کرتے کہتے اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسے تم ہنستے ہو (38)------------ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا اور تنور نے جوش مارا ہم نے کہا کشتی میں ہر قسم کے جوڑا نر مادہ چڑھا لے اور اپنے گھر والوں کو **مگر وہ جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے** اور سب ایمان والوں کو اور اس کے ساتھ ایمان تو بہت کم لائے تھے (40) اور

کہا اس میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھیرنا اللہ کے نام سے ہے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے (41) اور وہ انہیں پہاڑ جیسی لہروں میں لیے جا رہی تھی **اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ کنارے پر تھا اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ (42) کہا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں جو مجھے پانی سے بچا لے گا کہا آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہی رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی پھر ڈوبنے والوں میں ہو گیا** (43) اور حکم آیا اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام ہو چکا **اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری** اور کہہ دیا گیا **کہ ظالموں پر پھٹکار ہے (44) اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے (45) فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں** سو مجھ سے مت پوچھ جس کا تجھے علم نہیں--------- **یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تو آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی** ---"(49)

اب چونکہ بائبل میں بھی حضرت نوح کا قصہ آیا ہے اور لازمی بات ہے کہ سورۃ ہود کے نزول کے وقت بائبل کا بھی وجود تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ بائبل میں حضرت نوح علیہ السلام کا کیا قصہ لکھا ہوا ہے۔

"پیدائش باب 6: [9] نُوح کا نسب نامہ یہ ہے------------ [14] تُو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لِئے بنا۔ ---------- [17] اور دیکھ مَیں خود زمِین پر پانی کا طُوفان لانے والا ہُوں تا کہ ہر بشر کو جس میں زندگی کا دم ہے دُنیا سے ہلاک کر ڈالوں اور سب جو زمِین پر ہیں مر جائیں گے۔ [18] پر تیرے ساتھ میں اپنا مَیں اپنا عہد قائم کرونگا اور تُو کشتی میں جانا۔ **تُو اور تیرے ساتھ تیرے بیٹے اور تیری بیوی اور تیرے بیٹوں کی بیویاں۔** [19] اور جانوروں کی ہر قِسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا۔------- [22] اور نُوح نے یُوں ہی کِیا۔ جَیسا خُدا نے اُسے حُکم دیا تھا وَیسا ہی عمل کیا۔ پَیدائش باب 7 [1] اور خُداوند نے نُوح سے کہا کہ **تُو اپنے پُورے خاندان کے ساتھ کشتی میں** آ کیُونکہ مَیں نے تُجھی کو اپنے سامنے اِس زمانہ میں راست باز دیکھا------- [7] **تب نُوح اور اُس کے بیٹے اور اُس کی بیوی اور اُس کے بیٹوں کی بیویاں اُس کے ساتھ طوفان کے پانی سے بچنے کے لِئے کشتی میں گئے۔** [8] اور پاک جانوروں میں سے---------- [13] اُسی روز **نُوح اور نُوح کے بیٹے سم اور حام اور یافت اور نُوح کی بیوی اور اُس کے بیٹوں کی تینوں بیویاں۔** [14] اور ہر قِسم کا جانور اور ہر قِسم کا چوپایہ اور ہر قِسم کا زمین پر کا رینگنے والا جاندار اور ہر قسم کا پرندہ اور ہر قِسم کی چڑیا **یہ**

سب کشتی میں داخل ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا اِنسان کیا حَیوان۔ کیا رینگنے والا جاندار کیا ہوا کا پرندہ یہ سب کے سب زمین پر سے مر مِٹے۔ فقط ایک نُوح باقی بچا یا وہ جو اُس کے ساتھ کشتی میں تھے۔۔۔۔۔۔ پَیدایش باب 8 [1] پھر خُدا نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ [4] اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو **کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹِک گئی**۔۔۔۔ ۔ [15] تب خُدا نے نُوح سے کہا کہ۔ [16] کشتی سے باہر نِکل آ۔ **تُو اور تیرے ساتھ تیری بیوی اور تیرے بیٹے اور تیرے بیٹوں کی بیویاں**۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔[18] **تب نُوح اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ باہر نِکلا**۔۔۔۔"

کوئی بھی شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہو قرآن کریم کی حقانیت پر شک نہیں کر سکتا۔ بائبل اور قرآن کریم میں دونوں موجود واقعات کو دیکھ کر صاف پتہ چل جاتا ہے کہ بائبل میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے میں تحریف کی گئی ہے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ان کے تمام گھر والے ایمان لے آئے تھے مگر قرآن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیہ السلام کا ایک بیٹا اور ان کی بیوی ان پر ایمان نہیں لائے تھے اس لیے اُسی انجام سے دوچار ہوئے جس سے کفار ہوئے تھے یعنی طوفان نوح میں ہلاکت۔ یہ وہ غیب کی خبر تھی جس کے بارے میں سورۃ ہود کی آیت 49 میں ذکر ہے **جو مکے والوں کو تو کیا خود یہود و نصاریٰ کو بھی معلوم نہیں تھی**۔ غیب کی خبروں سے متعلق ایک آیت سورۃ یوسف میں بھی ہے۔ آپ سورۃ یوسف کا مطالعہ کریں اور بائبل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کا صاف معلوم ہو جائے گا کہ کہاں کہاں تبدیلیاں کی گئی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبر قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک تحریف لکھتا ہوں کہ بائبل میں ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے گئے تو ان میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام نے یرغمال بنالیا اور دوسرے بھائیوں کو کہا کہ جب تک چھوٹے بھائی کو نہیں لاؤ گے اسے نہیں چھوڑوں گا۔ مگر قرآن کریم میں لکھا ہے کہ سب کو جانے دیا تھا بس یہ کہا تھا کہ جب تک چھوٹا بھائی نہیں آئے گا غلہ نہیں ملے گا۔

یہ ہیں وہ غیب کی باتیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی۔ اس آیت کا یہ مطلب لینا کہ نبی کریم ﷺ کو یا قریش کو پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا **نام تک نہ معلوم تھا** نری جہالت ہی ہے۔ امید ہے اعتراض دور ہو گیا ہو گا۔ اور بھی بہت سے اعتراضات کے جوابات شروع کے جائزے میں شامل ہو گئے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم کچھ آیات پر غور کرتے ہیں جو اعتراضات کے حوالے سے پیش کی جاتی ہیں۔

"اے محمد ہم نے تم پر قرآن کا نزول ایسے نہیں کیا کہ اس سے تم کسی تکلیف یا مشقت میں پڑ جاؤ۔" (سورۃ طٰہ 20 آیت 2)

اس آیت کے ذریعے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت نبی کریم ﷺ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پہلی وحی پر نبی کریم ﷺ تکلیف سے دوچار ہوئے ہوں۔ پہلی آیت پر نبی ﷺ کی تکلیف (صحیح لفظ "کیفیت" ہو گا) کی جو وجوہات تھیں اس پر ہم اوپر تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اس آیت کا نزول قرآن کی تکلیف سے کوئی تعلق نہیں۔ اس آیت کا جو ترجمہ علامہ جوادی صاحب نے کیا ہے وہ پڑھنے سے یقیناً یہ مغالطہ دور ہو جائے گا۔ ترجمہ اس طرح سے ہے کہ

"ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ **<u>آپ اپنے کو زحمت میں ڈال دیں</u>**"

یہ ان آیات میں سے ایک ہے جن میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو کہا گیا ہے کہ آپ (ﷺ) کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے، ہدایت دینا نہ دینا آپ (ﷺ) کا کام نہیں۔ آپ (ﷺ) لوگوں پر داروغہ نہیں، اپنی جان کو ہلکان نہ کریں۔

"اے محمدؐ، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے" (سورۃ الشعرا 26 آیت 3)

" اچھا تو (اے نبیؐ) نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو" (سورۃ الغاشیہ 88 آیت 21)

امید ہے سورۃ طٰہ آیت 2 کے حوالے سے پیدا ہونے والا ابہام دور ہو گیا ہو گا۔

"اللہ تمہارے اوپر سکون اور اطمینان قلب نازل کرتا ہے۔" (سورۃ التوبہ 9 آیت 26)

اس آیت کی مدد سے بھی یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ نبی کریم پر اللہ تعالیٰ سکون و قلب نازل کرتا ہے۔ اس سے نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہیں ہوتی۔

بہت ہی غلط طریقے سے اس آیت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب میری ادنیٰ رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک ختم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مشکلات ختم کرتا ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم کو ہی دل کا سکون کہا گیا ہے۔ جیسے پہلے انبیاء کے سکونِ قلب کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے انتظام کیا تھا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دل

میں کچھ شک پیدا ہونا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار پرندوں کو کاٹ کر مختلف ٹکڑے مختلف پہاڑ پر رکھ کر بلانا، یہ حضرت ابراہیم کے لیے باعث سکون تھا۔ حضرت عزیر کا واقعہ بھی قرآن کریم میں ہے کہ کس طرح گرے ہوئے گاؤں کو دیکھ کر ان کے دل میں شک ابھرا جسے اللہ تعالیٰ نے سکون سے بدل دیا۔ مندرجہ ذیل آیات سے بات سمجھی جاسکتی ہے۔

أ

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ [۹۴:۱]

(اے محمد ﷺ) کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (بے شک کھول دیا)

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ [۹۴:۲]

اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا

الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ [۹۴:۳]

جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [۹۴:۴]

اور تمہارا ذکر بلند کیا

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا [۹۴:۵]

ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا [۹۴:۶]

(اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

بے شک یہ قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون اور اطمینان ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے۔ پہلی دفعہ نزول کے وقت جو کیفیت تھی اس سے قطع نظر اس کے بعد سارے قرآن کا نزول نبی کریم ﷺ پر سکون کی حالت میں ہی ہوا۔

سورۃ النجم کی آیت 11 کے حوالے سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ پر جو نازل ہو رہا تھا اس پر بالکل یقین کر لیا تھا ۔گھبرائے نہیں تھے۔ بالکل ایسا ہی ہے۔ وہ بالکل نہیں گھبرائے تھے۔ اس حوالے سے اوپر روایت کے جائزے میں بحث کر چکے ہیں۔ اس سے اگلی آیتوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایسا کچھ ایک بار پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ ہمارا موضوع اس پہلی دفعہ دیکھنے کے حوالے سے ہے جس پر بحث ہو چکی ہے۔

"جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں" (سورۃ الانعام 6 آیت 163)

ایسی آیات ہر نبی کے حوالے سے نازل ہوئی۔ ہر نبی نے اپنے آپ کو اول مسلمان کہا۔ **یعنی جو ان پر نازل ہوا اس کی فرمابرداری کی۔** اسی حوالے سے نبی کریم ﷺ پر بھی جو کچھ نازل ہوا انہوں نے اس کی فرمانبرداری کی۔

"رسول (خدا) اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے" (سورۃ البقرۃ 2 آیت 285)

یہ دو آیات بھی غیر ضروری طور پر اعتراضات میں پیش کی جاتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی اور جبرائیل کی پہلی ملاقات نبی کریم ﷺ کے لیے لطف بھری گھڑی تھی۔ اُن پر جو نازل ہوا انہوں نے قبول کر لیا۔ اس ہی پوائنٹ پر تو یہ پورا نوٹ ہے۔ اس کا جواب بھی اوپر دیا جا چکا ہے۔ بے شک نبی کریم ﷺ کی جبرائیل امین کے ساتھ ملاقاتیں لطف بھری ہوتی تھی مگر پہلی ملاقات کے حوالے سے اسی نوٹ میں لکھا جا چکا ہے۔

اس کے بعد ایک اور اعتراض سورۃ طٰہٰ کی آیت 17 کے حوالے سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر نہیں ڈرے اور تسلی بھرا جواب دیا جو سورۃ طٰہٰ کی آیت 18 میں مذکور ہے۔ اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ وحی کرنے پر حضرت موسیٰ

علیہ السلام تو نہیں ڈرے نبی کریم ﷺ کیسے خوفزدہ ہو سکتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ یہودیوں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رتبہ بڑھانے اور نبی کریم ﷺ کا مقام کم کرنے کی سازش ہے۔

اس پوائنٹ پر بھی ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی بات ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک چھوٹا سا نمونہ یعنی لاٹھی سے سانپ بنتے دیکھ کر جو گزری وہ سورۃ القصص کی آیت 31 میں مذکور ہے

" اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب دیکھا کہ **وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے، تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔**
(ہم نے کہا کہ) موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں ہو" (سورۃ القصص 28 آیت 31)
اس کے علاوہ سورۃ النمل 27 آیت 10 میں بھی یہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔

اگر نبی کریم ﷺ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح وحی اترتی یعنی جیسے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمجھایا گیا کہ آپ نے فرعون کے پاس جانا ہے۔ اس سے یہ بات کرنی ہے۔ اگر نہ مانیں تو یہ معجزہ دکھانا ہے۔ جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمائش کہ میری زبان کی گرہ کھول دیں اور میرے بھائی کو بھی میرا وزیر بنا دیں اور اللہ تعالیٰ کا اُن کی یہ فرمائش مان لینا۔ یہ وہ حالات نہیں جو نبی کریم ﷺ کو پیش آئے۔ **اگر کچھ لوگوں کو یہ یقین ہے کہ ایسے حالات پیش آئے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو باقاعدہ ہر چیز پہلی وحی میں سمجھا دی گئی تھی تو وہ سمجھانا بھی تو وحی ہی ہوا نا پھر تو وہ لوگ وحی غیر از قرآن کے حامی بن رہے ہیں۔ لیکن اگر ایسی بات نہیں اور وہ لوگ جو وحی صرف قرآن کا نعرہ لگاتے ہیں تو پھر ایسے حالات میں پہلی وحی کے وقت نبی کریم ﷺ کا خوفزدہ ہو جانا بحثیت انسان کوئی بڑی بات نہیں۔**

تو پہلی وحی پر ایک ایسی چیز جس کی وضاحت نہ ہو دیکھ کر انبیاء بھی ڈرتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے ہی کافی کچھ لکھ چکا ہوں۔ امید ہے اعتراض دور ہو گیا ہو گا۔

المختصر، ورقہ بن نوفل کی شخصیت اور اس سے متعلق روایات کے حوالے سے جو تجزیہ ہم نے کیا اس کی روشنی میں ورقہ بن نوفل اور اس سے متعلق روایات بالکل درست ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ احباب سے گذارش ہے کہ اس سلسلے میں اگر اختلاف رکھتے ہیں تو ضرور میری رہنمائی علمی طریقے سے اور دلائل سے فرمائیں۔ میری یہ تحقیق خود میرے لیے بھی حرف آخر نہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب لوگوں کو ہدایت کا راستہ سمجھا اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

محمد امین اکبر

11 فروری 2013